اورینٹل کالج میگزین، جلد۹۹، شمارہ۳، مسلسل شمارہ:۳۷۳، سال۲۰۲۴ء

نقلِ حرفی کے مباحث

(اُردو اور ہندی زُبان کے تناظر میں)

تنویر غلام حسین، پی ایچ ڈی
اسسٹنٹ پروفیسر اُردو
منہاج یونیورسٹی، لاہور

DISCUSSIONS OF TRANSLITERATION
(IN THE CONTEXT OF URDU AND HINDI LANGUAGE)

Tanveer Ghulam Hussain, PhD
Assistant Professor of Urdu
Minhaj University, Lahore

Abstract

In this article, the literal meaning of transliteration and its basic discussions are presented. The method of transliteration in Urdu and Hindi language has been discussed. Today, in every region of the world where the languages are similar to each other, their literature is being transferred to each other in the form of transliteration. Transliteration is an emergent phenomenon that changes over time as languages evolve. Both Urdu and Hindi languages are very similar in terms of oral and written communication. Phonetics and Grammar play an important role in Transliteration Although Urdu and Hindi are similar languages, there are some words which cannot be pronounced. This article discusses their basic principles and methods.

Keywords:

نقلِ حرفی، مباحث ، اُردو، ہندی، پنجابی، رسم الخط ، زبان، ہندوستان، حروفِ تہجی، سامی خاندان، آریائی خاندان، روایت۔

بنیادی طور پرTransliteration انگریزی زبان کا لفظ ہے جسے اردو میں 'نقلِ حرفی' کہا جاتا ہے۔ نقلِ حرفی اردو زبان کے دو لفظوں 'نقل' اور 'حرف' سے بنا ہے اور اب اردو زبان میں مرکب لفظ کی شکل میں رائج ہے۔ اردو زبان کی قدیم لغات مثلاً نوراللغات اور فرہنگِ آصفیہ وغیرہ میں لفظ 'نقل' اور 'حرف' کے معنی الگ الگ درج ہیں۔ لیکن جدید لغات میں اسے مرکب لفظ کی شکل میں ہی درج کیا گیا ہے۔ ذیل میں جدید دور کی مختلف لغات سے لفظ نقلِ حرفی کے معنی اور تعریف پیش کی جارہی ہے تاکہ "نقلِ حرفی" کے مباحث اردو، ہندی اور پنجابی کے حوالے سے بیان کرنے میں سہولت رہے۔ کراچی اردو بورڈ کی پیش کردہ "اُردو لغت" میں نقلِ حرفی کے معنی کچھ اس طرح بیان کیے گئے ہیں:

> "نقل (فت ن، سک ق) امث۔ حرفی، کس صف (۔۔ف ح، سک ر) امث۔ کسی زبان کے الفاظ کا تلفظ امکانی صحت کے ساتھ دوسری زبان کے حروفِ تہجی کے ذریعے ادا کرنا، کسی ایک زبان کے رسم الخط کو کسی دوسری زبان کے الفاظ یا حروف میں منتقل کرنا، انتقالِ حروف، تحویلِ حرفی۔"(۱)

ادارہ فروغِ قومی زبان سے شائع شدہ "قومی انگریزی اردو لغت" میں نقلِ حرفی کے حوالے سے بیان ہے:

> "Transliteration: نقلِ حرفی؛ نقلِ صوتی؛ ایک زبان سے دوسری زبان میں حرفی یا لفظی نقل؛ دوسرے رسم الخط میں لکھنے کا عمل۔"(۲)

قومی قونسل برائے فروغِ اردو (نئی دہلی) کی "جامع انگلش اردو ڈکشنری" میں نقلِ حرفی کے معنی لکھے ہیں:

> "Transliterate(v) (ایک زبان کے الفاظ وغیرہ کو) حتی الامکان صحت کے ساتھ دوسری زبان کے حروف میں لکھنا۔ Transliteration(n): نقلِ لفظ؛ ایک زبان کے حروف کو دوسری زبان کے حروف میں صحت کے ساتھ منتقل کرنا۔"(۳)

"لغاتِ لسانیات" میں نقلِ حرفی کے معنی اس انداز میں بیان ہیں:

> "Transliteration: The representation in the conventional of a sound, phonome or word or utterance in the conventional symbols of another language or system of writing.

ترجمہ کے عمل میں لفظوں کی آوازوں کا اظہار صوت کی ادائیگی جب کہ کسی اور زبان کی روایتی علامتوں میں کی جاتی ہے۔تو اس زبان کے نفاذ یا اطلاق کے عمل کو Transliteration کہتے ہیں۔"(۴)

Webster's New International Dictionary میں Transliteration کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ 'کسی زبان کا تلفظ اپنے صحیح معنوں میں دوسری زبان کے حروفِ تہجی کے ذریعے ادا کرنا'۔ یعنی انتقالِ الفاظ کے عمل میں حروف کی صوتی اقدار کا برقرار رکھنا ضروری ہے۔ آکسفورڈ انگلش ڈکشنری میں بھی Transliteration کا مطلب یہی بیان کیا گیا ہے کہ 'کسی ایک زبان کے الفاظ یا حروف کو کسی دوسری زبان کے الفاظ یا حروف میں منتقل کرتے ہوئے زبان کے صوتی آہنگ کو قایم رکھا جائے'۔(۵)

ڈاکٹر محمد خان اشرف نے نقلِ حرفی کو تدوینِ متن کی اصطلاح کے طور پر بیان کیا ہے۔اس ضمن میں وہ اس کے تلفظ، لغوی معانی اور اصطلاحی معانی کو یوں بیان کرتے ہیں:

"نقلِ حرفی: نَ قِ لْ حَ رْ فِ یْ، لغوی معنی: عبارت کو ہو بہو لکھنا، اصطلاحی معنی: متن یا تحریر کی عبارت کو ویسا ہی لکھنا جیسا اصل میں تھا، نقل کرنا۔"(۶)

نقلِ حرفی کے لغوی اور اصطلاحی معنوں کے ضمن میں پیش کی جانے والی درج بالا تعریفوں سے واضح ہوتا ہے کہ لفظ نقلِ حرفی کا تعلق رسم الخط سے ہے اور نقلِ حرفی یا Transliteration کسی بھی زبان کے متن کو نظامِ تہجی کے تحت ایک دوسری زبان کے متن کے تحریری نظام میں باضابطہ انداز میں منتقل کرنے کا نام ہے اور اس انتقال میں لفظوں کے معنی یا مطالب شامل نہیں ہیں۔ یعنی نقلِ حرفی ایک رسم الخط یا تحریری نظام کے کسی دوسرے رسم الخط یا تحریری نظام کے لفظ، فقرے، یا متن کی نمائندگی کرنے یا اس کا ارادہ کرنے کا عمل ہے۔ درحقیقت نقلِ حرفی کو ایک مختلف رسم الخط میں اصل لفظ کے تلفظ کو پہنچانے کے لیے ڈیزائن کیا جاتا ہے، جس سے اس رسم الخط کے لکھنے یا بولنے والوں کو اصل لفظ کی آوازوں اور تلفظ کی تفہیم کرنے میں سہولت ہوتی ہے۔ نقلِ حرفی کے عمل سے لفظ کا تلفظ تبدیل نہیں ہوتا ہے۔

عام طور پر نقلِ حرفی کی ضرورت کسی زبان میں اس وقت پیش آتی ہے جب ایک زبان کے اسماوافعال کو دوسری زبان میں ترجمے کے بغیر بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اردو میں جگہ 'لاہور' اور نام مثلاً 'محمد' یا 'عثمان' جیسے مشرقی ناموں کو نقلِ حرفی کے بعد بالترتیب Lahore,

Usman, Muhammad, لکھا جائے گا۔ یہاں یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ نقل حرفی Transliteration اور نقلِ صوتی Transcription کے فرق کو بھی مدِ نظر رکھا جائے۔ کیوں کہ جب تک ان دونوں کے مابین فرق کو نہ سمجھا جائے اس وقت تک نقلِ حرفی کی صحیح تفہیم بھی ممکن نہیں ہو سکے گی۔ نقلِ صوتی میں ایک زبان کے الفاظ کی اصوات یا آوازوں کو حرفوں کے ذریعے دوسری زبان میں منتقل کیا جاتا ہے۔ مثلاً اردو زبان کے لفظ 'فلاحی ادارہ' کو رومن رسم الخط میں نقلِ صوتی کے ذریعے Falahee Idara لکھا جائے گا۔ یہ صوتی اعتبار سے تلفظ کی درست تفہیم کر رہا ہے لیکن نقلِ حرفی کے اعتبار سے اس سے صحیح تفہیم ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا نقلِ حرفی کرتے ہوئے اس لفظ کو Falahi Idarah لکھا جائے گا۔ اسی لفظ کو ہم دیوناگری رسم الخط میں نقلِ صوتی کریں تو फ़लाही इदारा لکھا جائے گا اور اگر اسے نقلِ حرفی کریں تو फ़लाहि इदारह تحریر کیا جائے گا۔

نقلِ حرفی اور ترجمے میں کیا فرق ہے؟ اس سوال کے جواب میں بعض ادبا کا خیال ہے کہ نقلِ حرفی ترجمہ کے برابر ہے۔ ان میں کچھ اہم امتیازات ہیں جن سے ان دونوں کی انفرادی شناخت ہو سکتی ہے۔ اس میں بنیادی امتیاز یہ ہے کہ ترجمہ ایک زبان کے الفاظ کو دوسری زبان بولنے والوں کو سمجھنے کی اجازت دیتا ہے۔ بنیادی طور پر غیر ملکی لفظ کے ترجمہ میں اس کے معنی کی تشریح بھی شامل ہوتی ہے۔ جب کہ نقلِ حرفی ایک زبان کو ان لوگوں کے لیے قابلِ رسائی بناتی ہے جو اس زبان کے حروفِ تہجی سے ناواقف ہیں۔ نقلِ حرفی معنی کے بجائے تلفظ پر زیادہ توجہ مرکوز کرتی ہے جو خاص طور پر اس وقت مفید ہوتا ہے جب غیر ملکی لوگوں، مقامات اور ثقافتوں کے بارے میں بات کی جائے۔ لہٰذا اگر کسی شخص کو دوسری زبان میں متن پڑھنے کی ضرورت ہے اور اسے سمجھنے کے بجائے اس کا تلفظ کرنے میں زیادہ دلچسپی ہے تو اسے نقلِ حرفی کی ضرورت ہوگی ترجمہ کی نہیں۔ لیکن اگر وہ شخص یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اس لفظ کا کیا مطلب ہے تو اسے ترجمہ کرنے کی ضرورت ہے۔

عموماً نقلِ حرفی میں کسی ایک زبان کے ہر حرف کو اس کی انفرادی مطابقت کے ذریعے دوسری ہدف زبان میں منتقل کیا جاتا ہے تا کہ لفظ کی صحیح املا اور تفہیم ممکن ہو سکے۔ جب کہ نقلِ صوتی کا طریقہ عام طور پر ایسی زبانوں کے لیے اختیار کیا جاتا ہے جو علامتی رسم الخط پر مبنی ہوتی ہیں جیسے کہ جاپانی یا چینی زبان۔ ایسی زبانوں کے لیے نقلِ صوتی کا طریقِ کار لفظوں کی صحیح تفہیم کرتا ہے۔ اسی فرق کو ملحوظ رکھتے

ہوئے ہم نقلِ حرفی کو بطور زبان کے علم کی شاخ کے حوالے سے دیکھتے ہیں تاکہ لفظ نقلِ حرفی کا مفہوم اور تعریف کو بہتر طور پر سمجھا جاسکے۔اس ضمن میں فرخندہ لودھی(۱۹۳۷ء۔۲۰۱۰ء) نقلِ حرفی کے دائرہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

> ”نقلِ حرفی کی اصطلاح سے محض Transliteration کا مفہوم واضح نہیں ہوتا بلکہ بہت سے دیگر عناصر اس میں شامل ہو کر اسے علم اللسان کی ایک شاخ بنا دیتے ہیں۔’نقلِ حرفی‘ کا دائرہ بے حد وسیع ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ اور مختلف زبانوں کے پھیلاؤ کے سبب اس کی صورتیں اور اصول بدلتے رہتے ہیں۔دنیا کی مختلف زبانیں مختلف خصوصیات کی حامل ہیں۔ان کے حروفِ تہجی اور تحریر کے انداز میں فرق ہے۔کچھ دائیں سے بائیں اور کچھ بائیں سے دائیں لکھی جاتی ہیں اور ایسی زبانیں بھی ہیں جو اوپر سے نیچے کی طرف تحریر کی جاتی ہیں۔پھر مختلف زبانیں قبیلوں میں بٹی ہوئی ہیں۔مثلاً آریائی زبانیں یا سامی زبانیں وغیرہ۔چنانچہ ’نقلِ حرفی‘ آسان کام نہیں۔“(۷)

دنیا کی کسی بھی زبان میں نقلِ حرفی کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔زبانوں کی نشوونما اور ترقی میں اردگرد کی علاقائی زبانوں کا عمل دخل مسلم بات ہے۔زبانیں ایک دوسرے سے اخذ واستفادہ کر کے ہی اپنا ذخیرۂ الفاظ بڑھاتی ہیں اور خود کو باثروت کرتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ دنیا میں بولی جانے والی کسی بھی زبان کے ارتقا میں نقلِ حرفی کی اہمیت بہت زیادہ تسلیم کی گئی ہے۔اسی بین الاقوامی اہمیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فرخندہ لودھی کا بیان ہے کہ صحت مند اور توانا زبانیں علاقائی زبانوں سے بھی استفادہ کرتی ہیں۔پھر لشکر کشی، نقل مکانی یا سیاحوں کی صورت میں دور دراز کے علاقے سے تعلق رکھنے والے افراد زبان کا سرمایہ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں۔اس طرح بہت سے الفاظ شعوری یا غیر شعوری طور پر ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل ہو جاتے ہیں۔اور جب علم وفن کے فروغ کا عہد آتا ہے تو ایک زبان کے سرمائے میں دوسری زبان کے الفاظ ضرورت کے تحت شامل کر دیئے جاتے ہیں۔وہ زبانیں بھی جو وقت کا ساتھ نہیں دے سکتیں اور مردہ ہو جاتی ہیں، اپنے بہت سے الفاظ دوسری زبانوں تک پہنچانے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔کچھ الفاظ اپنا مفہوم لے کر شامل ہوتے ہیں اور اپنی ہیت کھو بیٹھتے ہیں، مگر بہت سے الفاظ اپنی صوتی اقدار(Phonetic Values)سمیت دوسری زبان کا حصہ بنتے ہیں۔یہ صورت شیکسپئر کے ڈراموں میں دیکھی جاسکتی ہے۔اس نے اپنی تخلیقات کا خام مواد پلوٹارک (Plutarch)اور دوسرے

مورخین کی تحریروں سے اخذ کیا اور اس مواد کو ادب میں ڈھالتے ہوئے بے شمار یونانی الفاظItalics میں لکھ کر انگریزی زبان کے سرمائے میں شامل کیے۔ ملٹن اور دوسرے شعرا نے بھی انتقالِ الفاظ سے کام لے کر عبرانی زبان کا کچھ حصہ محفوظ کیا تھا۔(۸) غرض نقلِ حرفی کا استعمال اس وقت کیا جاتا ہے جب کسی لفظ یا فقرے کو ایک مختلف تحریری نظام والی زبان میں پہنچایا جانا مقصود ہو۔

انگریزی زبان کے علاوہ دنیا کی دیگر زبانوں میں بھی یہ صورتِ حال دیکھی جاسکتی ہے۔ مثلاً بہت سے فارسی الفاظ ترکی میں اور ترکی کے بہت سے الفاظ فارسی میں شامل ہوتے رہے ہیں۔ اسی طرح فرانسیسی زبان کی مثال ہے، اس کا ذخیرۂ الفاظ باثروت ہونے کی وجہ سے دنیا کی کئی زبانوں میں شامل ہو چکا ہے۔ الغرض تاریخ شاہد ہے کہ ماضی میں برِ عظیم ایشیا اور برِ عظیم افریقہ کے بہت سے خطوں کی زبانوں پر حاکموں کی زبانیں اثر انداز ہوتی رہی ہیں اور ہزارہا الفاظ کا انتقال ان خطوں کی مقامی زبانوں میں ہوا ہے۔ اس حوالے سے برِ صغیر کی بات کی جائے تو اردو زبان کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اردو زبان میں فارسی، عربی، ترکی، انگریزی، سنسکرت، دیوناگری، دیگر پراکرتوں اور مقامی بولیوں مثلاً پنجابی کے الفاظ کی بعینہٖ شمولیت سے آج وہ الفاظ اردو زبان کا حصہ بن چکے ہیں۔ انھیں الفاظ کی بدولت آج اردو زبان کا شمار دنیا کی بڑی زبانوں میں ہوتا ہے۔ اگر دونوں زبانوں میں حروف اور آواز کے درمیان تعلقات ایک جیسے ہوں تو نقلِ حرفی نقل کے بہت قریب ہو سکتی ہے۔ اس بات کو بھی مدِ نظر رکھنا چاہیے کہ نقلِ حرفی الفاظ کو کسی نئی زبان میں پیش نہیں کرتی ہے بلکہ صرف ایک نئی شکل (یعنی نقلِ حرفی کسی زبان کے جملے کو دوسری زبان کے جملے میں تبدیل نہیں کرتی ہے، بلکہ اس کی علامتوں کو بھی تبدیل کرتی ہے۔)

یوں بھی جب نقلِ حرفی کرنے والی زبانوں کا تعلق ایک ہی خاندان سے ہو تو اس کی اہمیت مسلم ہے۔ کیوں کہ آپ ایک ہی خاندان یا خطے کی کسی ایک زبان کی لفظیات کو مِن وعَن یعنی کسی معنی و مفہوم کی تبدیلی کے بغیر صرف نقلِ حرفی کے ذریعے دوسری زبان میں منتقل کرتے ہیں تو ماخذ زبان کے شناسا لفظوں کے ساتھ ساتھ غیر شناسا لفظ بھی دوسری زبان میں منتقل ہوتے ہیں جو دوسری زبان کی لفظیات کے ذخیرے کو مزید وسیع کرتے ہیں۔ اس حوالے سے ہندی، پنجابی اور اردو کی مثال دیکھی جاسکتی ہے۔ موجودہ زمانے میں ان زبانوں کے بہت سے لفظ بین ہی ہماری زبان کا حصہ بن چکے ہیں۔ اس ضمن میں من، آدرش، انت، دھن، دھڑکن، ناگ، ناٹک، سُندر، پنچھی، دام، دلھن، گھات، دام، ڈگڈگی، ڈگر، ڈول،

ڈھال، دمڑی، ڈالی، راجہ، رتھ وغیرہ جیسے سیکڑوں ہندی الفاظ کی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح پنجابی زبان سے مٹی، بھنگ، مچھر، گندھی، کھچڑی، پتھر، کل، مکھی، بجنا وغیرہ جیسے الفاظ کی طویل فہرست درج کی جاسکتی ہے۔

اردو اور ہندی زبان میں نقلِ حرفی کے مباحث کو بیان کرتے ہوئے یہ امر ضروری ہے کہ ان دونوں زبانوں کے رسم الخط پر بھی مختصر بات کی جائے۔ لفظ رسم الخط کے معنی دیکھیں تو اس سے مراد وہ نقوش اور علامتیں ہیں جنھیں حروف کا نام دیا جاتا ہے۔ رسم الخط کسی زبان کو تحریری صورت دینے سے وجود میں آتا ہے اور دنیا کی ہر زبان کا اپنا ایک تحریری نظام ہوتا ہے جس کے تحت الفاظ اور حروف کی صحیح بصری نمائندگی، رسم الخط کہلاتی ہے۔ مثلاً جب ہم ابجدی تحریر کو ایک تحریری نظام قرار دیتے ہیں تو اس نظام کے تحت لکھی جانے والی عربی، فارسی، اردو اور دیگر زبانوں کی تحریروں کے لیے ہم 'رسم الخط' کا لفظ استعمال کریں گے۔ زبان خود کیا ہے؟ یہاں اس کی مختصراً وضاحت ضروری ہے۔ زبان مجموعۂ الفاظ کو کہتے ہیں اور الفاظ اصوات سے مرکب ہیں، اصوات ان تصاویر، خطوط اور نشانات پر مشتمل ہیں جو ارتقا کی منازل طے کر کے حروف کے نام سے آج ہمارے سامنے ہیں اور یہی حروف کسی زبان کے تلفظ کی ادائیگی اور معنی کے اظہار کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ انھی حروف کی مربوط صورت کسی زبان کا رسم الخط کہلاتی ہے۔ یعنی یہ مسلم ہے کہ رسم الخط کسی بھی زبان کا بنیادی جزو ہوتا ہے جس کے بغیر کسی زبان کا تصور ناممکن ہے۔ رسم الخط اور زبان کے باہم تعلق کو ڈاکٹر شوکت سبزواری (۱۹۰۸ء۔۱۹۷۳ء) جسم اور جان سے تشبیہ دیتے ہیں اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

> "یوں تو روح کے لیے ہر جسم برابر ہے، کوئی بھی ہو، جسم اگر صالح، توانا اور کامل ہے تو روح کو ترقی کرنے اور اندرونی توانائی حاصل کرنے کی بڑی آسانیاں ہیں۔ زبان کو بھی رسم الخط چاہیے وہ رسم الخط کی محتاج ہے اور رسم الخط کی صلاحیت اور کاملیت کا اثر زبان پر بھی پڑتا ہے۔ ایک اور مثال درخت وزمین کی ہے۔ درخت کو زبان سمجھیے اور زمین کو رسم الخط۔ درخت ایک خاص قطعہ زمین سے متعلق ہوتا ہے جس میں اس کی جڑیں پیوست ہوتی ہیں۔ درخت کی نشو نما میں ایک قطعۂ زمین کا بڑا دخل ہوتا ہے، رسم الخط کو زبان کی نشو نما میں تو کوئی دخل نہیں لیکن وہ زبان کے مزاج اس کی گوناگوں تبدیلیوں اور ارتقائی منزلوں کا حامل ہوتا ہے۔ رسم الخط زبان کا آئینہ ہے۔ جس میں اس کے خط وخال نظر آتے ہیں۔

> اس کی زندگی کا مقیاس ہے، ایک کتاب ہے جس میں زبان کی پوری تاریخ لکھی ہوتی ہے۔
> درخت جو زمین میں جڑ پکڑ چکا ہے آسانی کے ساتھ اکھاڑا نہیں جا سکتا اور اگر کسی تختۂ زمین سے اکھاڑ کر دوسری جگہ اس کو جما دیا جائے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ درخت خشک ہو جاتا ہے اور اگر دوسری جگہ جم بھی جاتا ہے تو اچھے پھل نہیں دیتا۔ یہ اثر اس زمین سے الگ کرنے کا ہوتا ہے جہاں وہ عرصہ سے لگا ہوا تھا۔(۹)

درج بالا اقتباس سے ثابت ہوتا ہے کہ زبان اور رسم الخط لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھیں ایک دوسرے سے الگ کر کے کسی زبان کو ترقی نہیں مل سکتی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ کسی زبان کی ترقی میں رسم الخط بنیادی حیثیت کا حامل ہوتا ہے جو اُس کی پہچان کا باعث بنتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی زبان کے رسم الخط کو کسی دوسری زبان پر لاگو بھی نہیں کیا جا سکتا ہے کیوں کہ رسم الخط کے ذریعے ہی کسی زبان کی بقا ممکن ہے۔ بہ قول پروفیسر فرمان فتح پوری(۱۹۲۶۔۲۰۱۳ء):

> "ایک زبان کا رسم الخط دوسری زبان پر منطبق نہیں ہو سکتا، اور نہ پختہ ومقبول ہو جانے کے بعد کسی زبان کا رسم الخط غیر ضروری اصطلاحات و ترمیمات کو قبول کر سکتا ہے اور اگر اس میں کسی سبب سے تبدیلیاں لائی گئیں تو پھر وہ زبان اپنے وجود کو من وعن قائم نہ رکھ سکے گی اور اس کا سرمایہ تباہ ہو جائے گا۔" (۱۰)

اس تناظر میں ہندی اور اردو رسم الخط کا جائزہ لیا جائے تو ہمیں دونوں رسم الخطوں میں بہت بُعد نظر آتا ہے۔ زبانیں اگرچہ ایک ہی خاندان 'ہند آریائی' سے تعلق رکھتی ہیں۔ لیکن اردو کی ایک انفرادیت یہ بھی ہے کہ اس کا تعلق تو ہند آریائی خاندان سے ہے مگر اس کا رسم الخط سامی خاندان کی زبان عربی سے ماخوذ ہے۔ اردو اور ہندی زبان صرف خاندان ایک ہونے اور ایک خطے میں پرورش اور پرداخت ونشوونما پانے کے سبب بول چال میں ایک دوسرے سے مماثلت رکھتی ہیں لیکن یہ مماثلت کسی حد تک یا پھر یوں کہنا چاہئے کہ صرف بول چال کی سطح تک محدود ہے، زبان اور رسم الخط میں تضاد کو کم وبیش تمام زبان دانوں نے مانا ہے۔ اردو اور ہندی زبان کی قرابت کے حوالے سے ڈاکٹر پرکاش مونس کا بیان بھی قابلِ توجہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "اردو اور ہندی ہمزاد زبانیں ہیں۔ بہت سے ایسے خطے آتے ہیں جہاں ان میں 'من تو شدم تو من شدی' کا معاملہ ہو جاتا ہے لیکن اس کے باوجود ان میں ایک بچھم کو دیکھتی ہے اور

دوسری پورب کو۔عام خیال تو یہ ہے کہ جس طرح مشرق اور مغرب آپس میں نہیں مل سکتے اسی طرح اردو اور ہندی میں بھی پاکستان اور ہندوستان کی سی کوئی خلیج حائل ہے حالانکہ حقیقت بالکل اسی طرح نہیں ہے۔اردو کے کافی حصے ایسے ہیں جو ہندی کا عکس لیے ہوئے ہیں۔۔۔یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اردو ادب،ہندی ادب سے اتنا بے نیاز بھی نہیں رہا جتنا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔"(۱۱)

جن ماہرین لسانیات کا یہ کہنا ہے کہ بول چال کی سطح پر دونوں زبانوں میں زیادہ اختلاف نہیں پایا جاتا ہے،اگرچہ یہ مبالغہ آمیز بیان ہے،کیوں کہ جب دو زبانوں کے ذخیرۂ الفاظ میں بہت فرق ہو تو بول چال کی سطح پر بھی سو فی صد یکساں نہیں رہتیں۔یہی وجہ ہے کہ بول چال جب تحریر کی صورت اختیار کرتی ہے تو یہ زبانیں بعد المشرق ہو جاتی ہیں۔ان زبانوں کے قُرب وبُعد کو لسانی تناظر کے ذریعے سمجھنے کے لیے دونوں زبانوں کے مآخذ کا مطالعہ کرنا ضروری ہے تاکہ ان کے بنیادی لسانی ڈھانچے کی تصویر واضح ہو۔ادب اور لسانیات کے اہم اور سنجیدہ ماہرین جن میں حافظ محمود شیرانی(۱۸۸۰۔۱۹۴۶ء)،سید محی الدین قادری زور(۱۹۰۵۔۱۹۶۲ء)،مسعود حسین خان (۱۹۱۹۔۲۰۱۰)، شوکت سبزواری بعد ازاں سہیل بخاری (۱۹۱۴۔۱۹۹۰ء) گیان چند جین(۱۹۲۳۔۲۰۰۷ء)،گوپی چند نارنگ، شمس الرحمٰن فاروقی (۱۹۳۵۔۲۰۲۰ء) مرزا خلیل احمد بیگ(۱۹۴۵ء) وغیرہ کے علاوہ مستشرقین میں جارج ابراہم گریرسن (۱۸۵۱۔۱۹۴۱ء)ٹی گراہم بیلی(۱۸۷۲۔۱۹۴۲ء) اور سنیتی کمار چٹرجی(۱۸۹۰۔۱۹۷۷ء) کے نام لیے جاسکتے ہیں،ان تمام ماہرینِ لسانیات نے دونوں زبانوں کے ابتدائی نقوش پر فاضلانہ روشنی ڈالی ہے۔اس حوالے سے مرزا خلیل بیگ نے اپنی کتاب 'اردو کی لسانی تشکیل' میں تمام نظریات کو جامع انداز میں قلم بند کیا ہے۔اردو زبان کے ہند آریائی پس منظر میں،زبانوں کی باہم مماثلت کی دلیل میں وہ لکھتے ہیں:

"جو زبانیں باہم مماثلت رکھتی ہیں یعنی جن زبانوں میں لسانیاتی بنیادوں پر یکسانیت پائی جاتی ہے انھیں 'ہم رشتہ زبانیں'(Related languages) کہتے ہیں۔ہم رشتہ زبانوں کو ایک گروہ یا زمرے میں رکھا جاتا ہے۔مماثل یا ہم رشتہ زبانوں کے اسی گروہ یا زمرے کو 'لسانی خاندان' (Language family) کہتے ہیں۔"(۱۲)

اسی دلیل کی روشنی میں اردو اور ہندی زبانوں کو دیکھا جائے تو دونوں کا تعلق ہند یورپی خاندانِ السنہ کی ایک اہم شاخ ہند آریائی سے ہے جس کا ارتقا ہندوستان میں ہوا۔یہی وجہ ہے کہ لسانی اعتبار سے اردو

اور ہندی نہ صرف ایک خاندان کی زبانیں ہیں بل کہ ان کی مماثلتوں سے پہلو تہی بھی نہیں کیا جاسکتا ہے کیوں کہ اگر رسم الخط کے فرق کو نکال دیا جائے تو دونوں زبانیں تقریباً ایک جیسی لگتی ہیں۔اس کی وجہ ان کا خاندان، ان کی پرداخت، سب ایک خطے اور ایک ماحول میں ہوئی ہے۔ان دونوں زبانوں کی تاریخ درحقیقت ہندوستان کی تہذیب وثقافت کی نمائندہ ہے اور اسی وجہ سے یہ زبانیں عام بول چال میں ایک دوسرے سے مماثلت رکھتی ہیں یا کسی قدر ایک جیسی ہیں۔ہندی اور اردو، دونوں زبانوں کے اشتراک کے حوالے سے ڈاکٹر نجم السحر اعظمی کہتے ہیں:

> "اردو اور ہندی ایسی ہی دو زبانیں ہیں جو تقریباً ایک سرچشمے سے پیدا ہونے کے بعد ایک دوسرے سے الگ ہوئیں۔ہندی سنسکرت لفظوں کی کثرت کے ساتھ دیوناگری میں لکھی جانے لگی اور بعد میں اس نے جدید ہندی کا روپ اختیار کر لیا۔اور اردو پراکرتوں کے علاوہ عربی وفارسی سے فیض حاصل کرتی رہی۔اسی طرح، دونوں کے لسانی دھاروں کے دو مختلف سمتوں میں بہنے سے اگرچہ دو اہم لسانی اور ادبی روایتیں ہندی اور اردو وجود میں آگئیں، تاہم دونوں کی ارتقائی کڑیاں ایک دوسرے سے اس قدر پیوست ہیں کہ ان کو مکمل طور پر ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔اردو اور ہندی کی بہت سی تحریریں ایک ہی پس منظر کی گواہی دیتی ہیں۔سنگھاسن بتیسی، بیتال پچیسی، اور رانی کیتکی کی کہانی دونوں زبانوں میں چھپیں اور انھیں اردو والے اردو اور ہندی والے ہندی کہتے رہے۔بول چال کی زبان سے قطع نظر صوتی، صرفی، نحوی اور لفظی سطح پر اردو اور ہندی میں خاصی یکسانیت ہے۔ان دونوں کی اصل ہندوستانی ہے، ان دونوں کی بنیادی آوازیں، افعال، صفات، حروفِ جار اور ذخیرۂ الفاظ میں اشتراک کے پہلو نمایاں ہیں۔"(۱۳)

لسانیاتی تناظر سے دیکھا جائے تو ان دونوں زبانوں کا تعلق ہندوستان کی قدیم زبان سنسکرت سے جا ملتا ہے۔سنسکرت زبان ہندوستان کی قدیم ترین زبان ہے۔اہلِ ہنود کا قدیم تاریخی اور مذہبی سرمایہ اسی زبان میں ملتا ہے۔سنسکرت زبان کی دو اہم شاخیں کلاسیک سنسکرت اور ویدک سنسکرت ہیں، جس میں اس زبان کا ارتقا ہوا۔کلاسیک سنسکرت کا تعلق ادب سے ہے اور قواعد دان پانِنی نے چوتھی صدی قبل از مسیح میں اس کا باقاعدہ معیار قایم کیا۔سنسکرت کا یہی روپ ہندوستان کی دیگر زبانوں پر بھی اثر انداز ہوا ہے۔جب کہ ویدک، سنسکرت زبان کا وہ روپ ہے جس کی تاریخ دو ہزار قبل از مسیح سے شروع ہوتی ہے۔ہندوؤں کا وید

نامی صحیفہ بھی اسی زبان میں ہے۔ وقت کے ساتھ مقامی بولیوں نے جب تحریر کی صورت اختیار کی تو مختلف پراکرتیں وجود میں آئیں اور یہی پراکرتیں شمالی ہندوستان کی زبانوں کے مآخذ شمار کی جاتیں ہیں۔

نقلِ حرفی کے حوالے سے اُردو اور ہندی (دیوناگری)، دونوں زبانوں کے حروفِ تہجی، قواعد اور صرف ونحو کا جائزہ لیا جائے تو ان دونوں زبانوں کے اختلافات زیادہ واضح صورت میں ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔ حروفِ تہجی کی تعداد کو دیکھا جائے تو اردو زبان کے مقابلے میں ہندی زبان کے بنیادی حروف کی تعداد تقریباً پچاس فیصد زیادہ ہے اور حروف کی اشکال وعلامات کی تعداد بھی اردو کے مقابلے میں تین گنا ہے لیکن اس کے باوجود اردو حروف کی بعض آوازیں ہندی زبان میں موجود نہیں ہیں۔ دوسری طرف ہندی کی بعض آوازیں جو اردو میں نہیں ہیں وہ بھی اس قدر دقیق ہیں کہ خود ہندی زبان بولنے والوں کے لیے بھی ان کا درست تلفظ ادا کرنا دشوار ہے۔ اس کے علاوہ اردو کے بجائے ہندی کے زیادہ تر حروف کے مختلف تلفظ متشابہ ہیں جن سے تحریر میں زیادہ پیچیدگی پیدا ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ہندی حروف کی اشکال اردو کے مقابل زیادہ طویل اور پیچیدہ ہیں جس سے لکھائی میں دقت کے ساتھ ساتھ جگہ کی بھی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ ہندی حروف کی متعدد شکلیں بہت ملتی جلتی ہیں۔ خاص طور سے ہندی حروف کی ترکیبیں جو سنیکت وینجن (संयुक्त व्यंजन) کہلاتی ہیں، ایک طرف ان کا تلفظ بہت دشوار ہے تو دوسری طرف جب انھیں آدھا استعمال کیا جاتا ہے تو پڑھنے میں بھی دقت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی سطح کی ہندی زبان کا لکھنا پڑھنا تو قدرے آسان ہوتا ہے لیکن جوں جوں عبارت کی سطح اعلیٰ ہوتی جاتی ہے تو تلفظ، تحریر اور ترکیب میں حروف کی پیچیدگی زیادہ ہو جاتی ہے۔ اسی لیے ہندی زبان کی اعلیٰ مذہبی اور علمی عبارتیں بلحاظ زبان کے، درست لکھنا اور پڑھنا خاص مہارت کا متقاضی عمل ہے۔

یہاں اجمالاً دونوں زبانوں کے حروفِ تہجی پیش کیے جا رہے ہیں۔ تاکہ عملی طور پر دیکھا جا سکے کہ دونوں زبانوں کے حروف میں کس قدر تضاد پایا جاتا ہے۔ اولاً اردو زبان کے حروف بیان کیے جا رہے ہیں جن کی کل تعداد ۳۷ ہے۔ ان میں تین حروف عربی کے ہیں۔ تین حروف خالص ہندی زبان کے ہیں۔ ایک حرف فارسی کا ہے جب کہ تین حروف ہندی فارسی کے مشترک ہیں۔ علاوہ ازیں بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، ڑھ، کھ، گھ، لھ، مھ اور نھ وغیرہ کی آوازیں بھی اردو زبان میں ہندی رسم الخط سے آئی ہیں۔ اردو حروفِ تہجی کی قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اس میں حروف کا چہرہ بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ

حروف کی اشکال کو دیکھا جائے تو ا، د، ڈ، ذ، ر، ز، ژ، ط، ظ، و وغیرہ ایسے حروف ہیں جو اپنی مکمل شکل میں لکھے جاتے ہیں اور باقی کے حروف اپنے چہرے سے پہچانے جاتے ہیں۔ یہاں ایسے چند حرف پیش کیے جا رہے ہیں مثلاً انسان، دوا، ڈر، ذکر، زمرد، طلسم، ظامن، واحد، خاندان، جمہور، مژدہ، مطلب، قرطاس، توحید، افکار، خیالات، حاکم، محکوم وغیرہ۔

اردو میں حروفِ علت (Vovels) کی تعداد صرف تین ہے یعنی ا، و، ی۔ ان حروف کے لیے جو علامات استعمال کی جاتی ہیں انھیں اعراب کہا جاتا ہے۔ یعنی ان کے لیے زیر، زبر، پیش کی علامات، بطور اعراب استعمال کی جاتی ہیں۔ جنھیں بالترتیب کسرہ، فتحہ، ضمہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ اعراب حروف کے اوپر یا نیچے لگائے جاتے ہیں۔ یہ اعراب بھی زیادہ مہارت پانے کے بعد لگانا ضروری نہیں رہتا لیکن نو آموز کے لیے ان کا استعمال تلفظ کی درست ادائیگی کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اردو حروفِ تہجی میں ان اعراب کے علاوہ تین اعراف بھی ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) سکون کی علامت، جزم (^) (۲) سکون اور حرکت کا اجتماع، تشدید (ـّ)

(۳) حرکت کی طوالت، مد (~)

مکمل اردو حروفِ تہجی درج ذیل ہیں جن میں قوسین والے حروف ہندی جب کہ قلابین والے حروف ہندی، فارسی اور واوین والا حرف خالص فارسی کا ہے:

	ا	ب	[پ]	ت	(ٹ)	ث	ج	[چ]	ح
خ	د	(ڈ)	ذ	ر	(ڑ)	ز	"ژ"	س	ش
ص	ض	ط	ظ	ع	غ	ف	ق	ک	[گ] ل
م	ن	و	ھ	ء	ی	ے			

ہندی حروفِ تہجی جسے ہندی وڑن مالا (हिन्दी वर्णमाला) کہا جاتا ہے، کی تعداد اردو حروفِ تہجی کے مقابلے میں تین گنا زیادہ ہے۔ ہندی حروفِ تہجی میں ۱۳ حروفِ علت (स्वर)، ۳۳ حروفِ صحیح (व्यंजन) اور ۴ حروفِ مرکب (संयुक्त व्यंजन) ہیں جو کُل پچاس حروف بنتے ہیں۔ ان حروف کی تحریری صورت درج ذیل ہے:

حروفِ علت (स्वर)

अ, आ, इ, ई, उ, ऊ, ऋ, ए, ऐ, ओ, औ, अं, अः

حروفِ صحیح(व्यंजन)

ہندی حروفِ صحیح میں پہلے ۲۵ حروف 'سپرش ورڑن' کہلاتے ہیں اور یہ پانچ سیٹوں کی صورت میں منقسم ہوتے ہیں جنھیں ورگ کہتے ہیں۔ بعد میں آنے والے چار حروف 'انتتھ ورڑن'، اور اس کے بعد آنے والے چار حروف' اوشم ورڑن' کہلاتے ہیں۔

پہلے سپرش ورڑن جو پانچ ورگوں میں تقسیم ہیں اور ہر ورگ میں حرف بھی پانچ ہیں، رقم کیے جارہے ہیں۔

۱۔ پہلا ورگ کا(ک) سے آغاز ہوتا ہے اور یہ 'کورگ' کہلاتا ہے۔ ک، کھ، گ، گھ، ڑن

क, ख, ग, घ, ङ।

۲۔ دوسرے ورگ کا(چ) سے آغاز ہوتا ہے اور یہ 'چوورگ' کہلاتا ہے۔ چ، چھ، ج، جھ، نیاں

च, छ, ज, झ, ञ।

۳۔ تیسرے ورگ کا(ٹ) سے آغاز ہوتا ہے اور یہ 'ٹورگ' کہلاتا ہے۔ ٹ، ٹھ، ڈ، ڈھ، ڑن

ट, ठ, ड, ढ, ण।

۴۔ چوتھے ورگ کا(ت) سے آغاز ہوتا ہے اور 'تورگ' کہلاتا ہے۔ ت، تھ، د، دھ، ن

त, थ, द, ध, न।

۵۔ پانچویں ورگ کا(پ) سے آغاز ہوتا ہے اور یہ 'پاورگ' کہلاتا ہے۔ پ، پھ، ب، بھ، م

प, फ, ब, भ, म।

بعد میں آنے والے چار حرف 'انتتھ ورڑن' کہلاتے ہیں: ی، ر، ل، و। य ,र, ल, व।

ان کے بعد مزید چار حرف ہیں جو 'اوشم ورڑن' کہلاتے ہیں ۔ان میں شامل حروف یہ ہیں: ش، شّ، س، ہ। श, ष, स, ह।

حروفِ مرکب(संयुक्त व्यंजन)ہندی کے حروفِ مرکب ہیں: گین، تر، کش، شر

ज्ञ, त्र, क्ष, श्र।

اردو زبان میں ان درج بالا آوازوں کا کوئی متبادل حرف نہیں ہے اور خود ہندی زبان میں بھی یہ آوازیں ادائیگی کے لحاظ سے بہت پُر تکلف ہیں۔ ان کا لکھنا اور پڑھنا اہلِ زبان کے لیے بھی کٹھن ہے کیوں کہ ان کی ادائیگی کے لیے بہت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ ہندی کے ۱۳ حروفِ علت یعنی سور کے لیے بھی الگ الگ علامتیں استعمال ہوتی ہیں جنھیں ماترائیں کہا جاتا ہے ۔ہر حرف کے لیے الگ ماترا یعنی علامت ہے اور ان ماتراوں کا سلسلہ بھی

خاصا طویل اور پیچیدہ ہے۔ یہ ماترائیں حروفِ صحیح کے ساتھ استعمال ہوتی ہیں۔ یہاں ہندی حروفِ علت کی علامت کو اردو نقلِ حرفی میں پیش کیا جارہا ہے تاکہ پوری طرح وضاحت ہوسکے۔

ہندی سور (حروفِ علت) کی علامت اردو نقلِ حرفی میں۔

۱۔ (अ) (ا) ۲۔ (आ) (آ)

۳۔ (इ) (اِ) ۴۔ (ई) (ای)

۵۔ (उ) (اُ) ۶۔ (ऊ) (اُو)

۷۔ (ऋ) (رِری) ۸۔ (ए) (اے)

۹۔ (ऐ) (اَے) ۱۰۔ (ओ) (او)

۱۱۔ (औ) (اَوْ) ۱۲۔ (अं) (اں۔ں ساکن)

۱۳۔ (अः) (اہ۔ہ ساکن)

ان ماتراوں کے مقابل اردو میں حروفِ علت یعنی اعراب کا استعمال ہوتا ہے جن کی تعداد صرف تین ہے۔(زیر: کسرہ)، (زبر: فتحہ)، (پیش: ضمہ)۔ اس کے علاوہ اردو کے اعراف میں سے تشدید اور جزم بھی ہندی میں موجود نہیں ہیں۔ تشدید میں چوں کہ ایک حرف ساکن اور دوسرا متحرک رہتا ہے اور تلفظ میں ساکن نصف اور متحرک مکمل رہتا ہے۔ مثلاً (مصوّر)۔ ہندی میں تشدید کے لیے متعلقہ حرف کو لفظ میں دوبار دوہرایا جاتا ہے پہلے آدھا حرف اور پھر مکمل حرف لکھا جاتا ہے۔ مثلاً ہندی میں مصوّر کو یوں تحریر کیا جائے گا (मसव्वर)۔ غرض ایک علامت تشدید، کے نہ ہونے سے ہندی کی تحریر اور ترکیب میں مختلف شکلیں پیدا ہوتی ہیں جو پیچیدگی اور طوالت پیدا کرتی ہیں۔ اس کے برعکس اردو میں علامت تشدید کی بدولت تحریر اور ترکیب بہت سادہ رہتی ہے۔ اسی طرح ہندی میں علامت جزم بھی نہیں ہے اور اس کے نہ ہونے کے سبب سکون کے لیے متعلقہ حرف نصف تحریر ہوتا ہے۔ جس سے حروف کی ترکیب میں پیچیدگی اور طوالت پیدا ہوتی ہے جب کہ اردو میں جزم کے استعمال سے حروف سادہ رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہندی کے دو اور سہ حرفی مرکبات جنھیں سینوگ کہا جاتا ہے، حروف کی ترکیب میں طوالت اور پیچیدگی کے علاوہ عجب صورتوں کی بنا پر بلحاظ تلفظ اور بلحاظ تحریر و ترکیب انتہائی دشوار ہیں۔

علاوہ ازیں ہندی حروفِ تہجی کے کُل پچاس حروف کے علاوہ دیگر زبانوں کو ادا کرنے کے لیے جب علامات لگائی جاتی ہیں تو ان کی تعداد مزید بڑھ جاتی ہے۔ مثلاً اردو زبان کے حروف، خ، ذ، ز، ض، ظ، غ، ف، ق وغیرہ ہندی زبان میں تحریر کیے جاتے ہیں تو بالترتیب ہندی حروف

ख,ज,ज,ज,ज,ग,फ,क کے انھیں یوں ख़,ज़,ज़,ज़,ज़,ग़,फ़,क़ تحریر کیا جاتا ہے۔ اور یوں ایک ہی حرف کی دو دو شکلیں وجود میں آ جاتی ہیں اور حروف کی تعداد دو گنا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ناگری خط میں (ر) کا استعمال بھی چار شکلوں میں ہوتا ہے جس کا سمجھنا اور پڑھنا بعض اوقات انتہائی دشوار ہوتا ہے مثلاً:

رچنا (रचना): تخلیق، تصنیف۔ ورتمان (वर्तमान): موجودہ زمانہ۔

پرچار (प्रचार): چلن، دستور۔ رِشی (ऋषि) عابد، زاہد، صوفی۔

اس کے علاوہ دیوناگری خط میں نون غنہ بھی مختلف شکلوں میں لکھا جاتا ہے۔ مثال دیکھیے:

اَنکُٹ (अंकुट): چابی، کُنجی۔ آنگن (आँगन) صحن۔ ناٹک (नाटक) کھیل، تمثیل۔

المختصر اردو حروف، تلفظ اور تحریر و ترکیب میں کئی حوالوں سے ناگری حروف کے مقابل زیادہ فنی فوقیت رکھتے ہیں اور تمام اردو و ہندی ماہرینِ لسانیات اس بات پر اتفاق بھی کرتے ہیں۔ دونوں رسم الخطوں کی مزید بحث کے لیے رسالہ نقوش کا 'ادبی معرکے نمبر' باعنوان: اُردو اور ناگری رسم الخط، شمارہ نمبر ۱۲۷، ستمبر ۱۹۸۱ء، ملاحظہ کیا جا سکتا ہے اس کے علاوہ پروفیسر فتح محمد ملک کی ترتیب و تدوین کردہ کتاب باعنوان: اُردو زبان اور اُردو رسم الخط (لسانی تعبیر اور روحانی تفسیر) کے مقالات اس بحث کی مزید وضاحت کرتے ہیں۔ یہاں طوالت سے قطع نظر اجمالاً دونوں خطوں کا جائزہ لیا گیا ہے تاکہ دونوں زبانوں کے بنیادی اختلافات کو پیش کیا جا سکے۔

رسم الخط کی مغایرت کے برعکس دونوں زبانوں کو گرامر کی رو سے دیکھا جائے تو ان دونوں کی قُربت اور متدارک ہونے سے انکار ممکن نہیں۔ ذیل میں گرامر کے حوالے سے دونوں زبانوں کی یکسانیت کو اجمالاً پیش کیا جا رہا ہے تاکہ اسلوبیاتی مطالعہ کی مکمل صورت سامنے آ جائے۔ چوں کہ دونوں زبانیں ہند آریائی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں اور ایک ہی خطے کی ہونے کی بنا پر ان کے قواعد کا مشترک ہونا تعجب کی بات نہیں ہے۔ صوتی، صرفی و نحوی سطح پر ان کی یکسانیت دونوں زبانوں پر دلالت کرتی ہے۔ دونوں زبانوں کے مصمتے، مصوتے، افعال، ضمایر، سابقے لاحقے، حروف غرض محاورے اور ضرب المثال تک میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ ان بنیادی قواعد کی مزید وضاحت ذیل میں پیش کی جا رہی ہے:

۱۔ دونوں زبانوں میں اسم کی مختلف حالتوں کے اظہار کے قاعدے یکساں ہیں۔ یعنی اسم خاص و عام دونوں زبانوں میں ایک طرح کے استعمال ہوتے ہیں۔

۲۔ دونوں زبانوں کے لوازمِ اسم جنس، تعداد اور حالت یعنی تذکیر و تانیث یکساں صورتوں میں افعالِ جنس کے لحاظ سے تبدیل ہوتے ہیں۔ مذکر مونث اور تیسری قسم بے جان اشیا کی۔ مثلاً گھوڑا دوڑتا ہے اور گھوڑی دوڑتی ہے۔

۳۔ دونوں زبانوں میں علامتِ مصدر مثلاً آنا، جانا، کھانا، پینا، سونا، جاگنا وغیرہ یکساں ہے۔

۴۔ گنتی کے اعداد دونوں زبانوں کے یکساں ہیں۔

۵۔ دونوں زبانوں کے ضمایر (حاضر، غائب، متکلم) یکساں ہیں۔ مثلاً تم، میں، وہ، ہم، اس کے وغیرہ

۶۔ دونوں زبانوں میں جمع بنانے کا قاعدہ بھی یکساں ہے۔ یعنی مفرد الفاظ کے آخر میں یاں، وں کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔

۷۔ دونوں زبانوں میں یکساں سابقے اور لاحقے لگا کر مرکب الفاظ بنائے جاتے ہیں۔ مثلاً دھوکے باز، چوردروازہ، وغیرہ

۸۔ دونوں زبانوں کے یکساں محاوروں کی تعداد کثرت سے ہے۔ مثلاً ہتھیلی پر سرسوں جمانا، ایڑی چوٹی کا زور لگانا، پانی پانی ہونا وغیرہ۔

۹۔ کہاوتوں اور تلمیحات کی تعداد میں بھی بہت یکسانیت پائی جاتی ہے۔ مثلاً جس کی لاٹھی اس کی بھینس، بن واس لینا وغیرہ۔

۱۰۔ حروفِ ربط، عطف، تخصیص اور فجائیہ وغیرہ دونوں زبانوں میں یکساں استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً کا، کے، کی، میں سے کیا، کہ یا، لیکن، بلکہ، اگر، مگر، اے صاحبو وغیرہ۔ لیکن جدید ہندی زبان میں اب شعوری طور پر ان حروف کے لیے سنسکرت کے دقیق لفظوں کا استعمال کیا جا رہا ہے۔ چند امثال دیکھیے:

- لیکن۔ بل کہ، کے لیے سنسکرت کا لفظ: کِنتُو (किंतु)
- اسی طرح۔ ایسے ہی۔ اور، کے لیے سنسکرت کا لفظ: تتھا (तथा)
- تاہم۔ لیکن، کے لیے سنسکرت کا لفظ: پَرنتو (परंतु)

سنسکرت کی طرف واپس پلٹنے کے حوالے سے شان الحق حقی (۱۹۱۷ء۔ ۲۰۰۵ء) کا تجزیہ بالکل درست معلوم ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ”جدید ہندی کی ستم ظریفی یہ ہے کہ ایک طرف تو یہ الفاظ کی مروج پراکرتی شکلوں قبول کرنے سے عاری ہے اور ’تت بھو‘ سے ناتہ توڑ کے ’تت سم‘ پر آگئی ہے۔ چلتے چلاتے الفاظ

کو سنسکرت شکل میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ پراکرت کی بجائے براہِ راست سنسکرت سے ناتہ جوڑ رہی ہے۔ دوسری طرف راجپوتانے اور ہریانے سے لے کر بہار تک تمام مقامی بولیوں کو 'ہندی' کے زمرے میں شمار کیا جاتا ہے۔ اردو نے 'تت بھو' کو قائم رکھا ہے اور اس لحاظ سے ان سب بولیوں سے ہندی کے بہ نسبت زیادہ قریب ہے۔ جدید ہندی اور اردو دونوں ہم اصل ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ جو رشتہ ان بولیوں کا اس سے ہو وہ اس سے نہ ہو، بلکہ ہندی تو عملاً ان سے ناتہ توڑ کر اور ہی راستے پر چل پڑی ہے، زیادہ بیگانی ہو گئی ہے۔"(۱۴)

آخر میں ان تمام مباحث کو سمیٹے ہوئے، اردو اور ہندی زبان کے رشتے کے حوالے سے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ (۱۹۳۱ء۔ ۱۵/جون ۲۰۲۲ء) کا تجزیہ پیش کیا جارہا ہے جو ان دونوں زبانوں کے بُعد اور قرابت میں قرین درست معلوم ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اول یہ کہ اردو اور ہندی اپنی بنیاد اور جڑ سے ایک ہیں۔ ان کی نشوونما اس طور پر ہوئی کہ اب یہ دو آزاد مستقل بالذات اور الگ الگ زبانیں ہیں۔ البتہ کئی سطوں پر یہ ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح جڑی ہوئی ہیں کہ ایک دوسرے سے بے نیاز نہیں ہو سکتیں۔ اس باہمی اشتراک کی وجہ سے موجودہ لسانی صورتِ حال کچھ اس طرح کی ہے کہ اگر ہندی اور اردو کو دو دائروں کی شکل میں ظاہر کیا جائے تو دونوں دائرے ایک دوسرے سے ملتے ہوئے نظر آئیں گے اور دونوں دائروں کا نصف سے زیادہ حصّہ منطبق ہوتا ہوا معلوم ہو گا۔ دوسرے یہ کہ اردو میں تقریباً تین چوتھائی الفاظ دیسی ہیں یعنی وہی ہیں جو ہندی میں استعمال ہوتے ہیں۔ عربی فارسی سے مستعار سرمایہ صرف دس پندرہ ہزار لفظوں کا ہے اور یہ بھی سب کا سب استعمال نہیں ہوتا۔ گمان ہے کہ اردو شاعروں اور ادیبوں کے یہاں اس سرمائے کا بھی زیادہ سے زیادہ نصف حصہ یعنی چھ سات ہزار لفظ استعمال ہوتے ہیں اور یہ سرمایہ بھی اردوانے یا ہندیانے کے نامیاتی عمل سے گزرا ہے اور اس میں صوتی، صرفی، نحوی اور معنوی تبدیلیاں ہوئی ہیں، تب کہیں جا کر یہ اردو کا جزوِ بدن ہو سکا ہے۔ دوسری طرف ہندی میں عربی فارسی سے مستعار اردو کے جو الفاظ استعمال ہوتے ہیں، ان کی تعداد ڈھائی ہزار سے زیادہ نہیں اور یہ وہ لفظ ہیں جو کثیر الاستعمال ہیں اور جن کے بغیر ہندی میں طرح طرح کی دقتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ہندی کے ساتھ اردو کے بقائے باہم کے لیے اس بات کے عرفان کو عام کرنے کی ضرورت ہے کہ بنیادی طور پر تو اردو ہند آریائی زبان ہے ہی، نیز اپنے ذخیرہ الفاظ اور رسم الخط کے معاملے میں بھی وہ اتنی غیر ملکی نہیں جتنی سمجھی جاتی ہے۔ جب اردو اتنی روادار ہو سکتی ہے کہ اپنی کل لفظیات میں تین چوتھائی کی حد تک یعنی چالیس پینتالیس

ہزار الفاظ ہندی کے برت سکتی ہے اور پراکرتوں کے تدبھو کی بہترین امین بھی ہے تو کیوں نہ ہندی بھی اردو کے دو ہزار لفظوں کے بارے میں فیاضی کا ثبوت دے اور انھیں اپنی بنیادی لفظیات کے طور پر تسلیم کرلے اور ان کے استعمال کو ذہنی تحفظات اور تعصبات کا شکار نہ ہونے دے۔ اس سے دونوں زبانوں میں باہمی اشتراک اور لسانی بھائی چارے کی فضا مضبوط ہوگی اور سیاست دانوں کی خود غرضانہ اور تنگ نظرانہ تاویلیں اور غلط بیانیاں اس رشتے کو نقصان نہ پہنچا سکیں گی۔"(۱۵)

الغرض اُردو اور ہندی زبان میں جہاں لسانی اشتراک اور مماثلتیں پائی جاتی ہیں، وہیں اختلاف کے پہلو بھی بہت زیادہ ہیں۔ مثلاً ان دونوں زبانوں میں تلفظ، روزمرہ، محاورات اور ضرب الامثال، مرکباتِ لفظی (اضافت وغیرہ)، سابقے اور لاحقے، قوعدی زمرے، حروف، نحوی ساخت اور خصوصی طور پر ذخیرۂ الفاظ کی سطح پر نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں دونوں زبانیں اپنی ادبی روایت، تلمیحات واشارات، تہذیب، تاریخ، غرض لسانی مزاج میں بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ دونوں زبانوں کی تہذیبی اصطلاحوں اور لفظیات کے مآخذ الگ ہیں، اور سب سے بڑھ کر دونوں زبانوں کا رسم الخط مختلف اور زبانوں کے دو الگ الگ خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی مآخذ یعنی شور سینی اپ بھرنش اور کھڑی بولی سے ارتقا پانے اور اس حوالے سے کہیں کہیں لسانی اشتراک ہونے کے باوجود دونوں زبانیں الگ ہیں اور انھیں الگ زبانوں کے طور پر ہی تسلیم کرنا چاہیے۔

مجموعی طور پر نقلِ حرفی کی روایت کے حوالے سے بات کی جائے تو ہندوستان میں Transliteration کا زیادہ تر کام یورپ کے ماہرینِ لسانیات، خاص طور پر مستشرقین نے کیا ہے۔ انھوں نے کسی خاص زبان میں دلچسپی سے قطع نظر، دنیا کے قدیم فکری سرمائے کو انگریزی زبان میں منتقل کرنا ضروری خیال کیا۔ چناں چہ اس امر کے لیے انھیں ایک طرف عربی، فارسی، اور ہندی کے بے شمار مخطوطات جو ان کے مطالعہ میں آئے، ان کے اسما اور کتابوں کے ناموں کو درست تلفظ میں پیش کرنے کے لیے رومن حروف کا سہارا لینا پڑا۔ دوسری طرف توسیع سلطنت اور مختلف خطوں میں اپنی عملداری واجارہ داری قائم کرنے کے لیے انگریزوں کو فارسی، عربی اور ہندی زبان میں دسترس حاصل کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ ہندوستان میں نقلِ حرفی کے ذیل میں بڑی پیش رفت اٹھارویں صدی کے آخر میں، فورٹ ولیم کالج کا قیام ہے۔ اس کالج کا قیام درج بالا سطور میں پیش کیے گئے ارادے اور سلسلے کی ایک کڑی تھا۔ اس کالج کے

پلیٹ فارم سے مقامی منشیوں (ادیبوں ودانش وروں) کی مدد سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریز ملازمین کو عربی، فارسی، ہندی اور دیگر مقامی زبانیں سکھانے کے لیے جو کتب تیار کی جاتیں تھیں ان میں نقلِ حرفی پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ ڈاکٹر گل کرسٹ (۱۷۵۹ء۔۱۸۴۱ء) اور اس کے ساتھیوں کی تیار کردہ گرامر اسی سلسلے کی اہم دستاویزات ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر گراہم بیلے نے اپنی گرامر کی کتابوں میں عربی اور فارسی زبانوں کے ساتھ ساتھ پنجابی بول چال کی زبان کو بھی رومن حروف میں لکھنے کا اصول وضع کیا۔ ضرورت کے مطابق خطوط اور مختلف علامات سے کام لے کر فارسی اور ہندی (اردو) کے الفاظ کی آوازیں انگریزی میں منتقل کیں۔

اگرچہ مغلوں کے عہدِ حکومت میں فارسی زبان کو غیر معمولی اہمیت حاصل تھی۔ سرکاری دفاتر میں یہی زبان رائج تھی۔ شاہی سرپرستی کے سبب شعرا اور ادبا اسی زبان میں اپنی تخلیقات پیش کرتے تھے۔ سیاسی طور پر انگریز مغلوں کا مقام حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے انھیں فارسی زبان میں غیر معمولی دلچسپی تھی۔ یہی سبب ہے کہ فورٹ ولیم کالج کے قیام سے بہت پہلے فارسی زبان کو انگریزی زبان میں نقلِ حرفی (Transliterate) کرنے کا عمل شروع ہو چکا تھا۔ فکر انگیزی اور دل نشینی کے سبب رباعیات عمر خیام (۱۰۴۸ء۔۱۱۳۱ء) کا ترجمہ انگریزی میں کیا گیا اور اصل متن بھی رومن حروف میں لکھا گیا۔ فارسی علم و ادب کو کیٹیلاگ کرنے کے لیے اور قدیم مخطوطات کو بھی انگریزی کے ہم آواز حروف کے ذریعے قارئین کے مطالعے کے لیے محفوظ کیا گیا۔ اس ضمن میں ڈکشنریوں کے بہت سے مرتبین مثلاً John. T. Platts (1830-1904) وغیرہ داد کے مستحق ہیں۔ اسی طرح K.S. Lambton (1912-2008) جیسی شخصیات نے فارسی زبان کو ضخیم کتابوں کی صورت میں Transliterate کیا۔ Rieu اور Ethe نے مخطوطات کی فہارس میں نقلِ حرفی کی سکیمیں پیش کر کے تشنگانِ علم کی پیاس بجھائی۔ (۱۶)

ہندی زبان (دیوناگری) سے اردو زبان میں نقلِ حرفی کی روایت کو دیکھا جائے تو اکبر کے زمانے میں ناگری رسم الخط میں ایک رسالہ 'چند چھند برنن کی مہیما' چھپا، جس میں کھڑی بولی کا ہندی روپ ملتا ہے۔ اس کے علاوہ رام پرشاد نرنجی نے للولال جی (۱۷۶۳ء۔۱۸۳۵ء) سے ۳۲ سال پیشتر ایک کتاب 'بھاشا یوگ وشیسٹ' کے نام سے لکھی جس میں اسی قسم کی ہندی ملتی ہے۔ (۱۷) بعد ازاں ناگری رسم الخط کا باقاعدہ آغاز فورٹ ولیم کالج سے ہوا۔ پہلی کتاب جو ہندی (دیوناگری) زبان سے اردو میں نقلِ حرفی کی گئی وہ للولال کوی (بھاکا منشی) کی 'پریم ساگر' ہے۔ درحقیقت اسی کتاب سے ہندی جو کہ کھڑی بولی کا ایک روپ

تھی، کو ایک الگ زبان کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔ یہ ایک مفصل بحث ہے جو ہندی اردو تنازع کے ضمن میں لسانیات کے محققین کے ہاں بہت شدت کے ساتھ زیرِ بحث رہی ہے، یہاں صرف نقلِ حرفی کی روایت کے طور پر اس کتاب کو ہندی میں تحریر کرنے کے بعد اسے اردو میں نقلِ حرفی کیے جانے کا احوال مقصود ہے۔ للولال کوی نے ۱۸۰۳ء میں گل کرسٹ کی فرمائش پر پہلے اس کتاب کو سنسکرت آمیز ہندی (دیوناگری رسم الخط) میں تحریر کیا بعد ازاں اسے اردو رسم الخط یعنی اردو زبان میں نقلِ حرفی کیا۔ یہیں سے ہندی زبان سے اردو زبان میں نقلِ حرفی کی روایت کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ بعد میں اسی کالج کے دوسرے منشی سدل مشر (۶۸۔۱۷۶۷ء۔۴۸۔۱۸۴۷ء) نے 'ناسکتیو پاکھیان' کے نام سے، سنسکرت آمیز ہندی میں کتاب لکھی، جسے بعد میں 'چندراوتی کی کتھا' کے نام سے اردو زبان میں نقلِ حرفی کیا۔ معروف قواعد دان انشااللہ خان (۱۷۵۲ء۔۱۸۱۷ء) کی 'رانی کیتکی کی کہانی' بھی اسی پلیٹ فارم سے لکھی گئی۔ فورٹ ولیم کالج سے اس کے علاوہ بھی سنسکرت اور برج بھاشا سے کتب کو ترجمہ اور نقلِ حرفی کیا گیا ہے۔

آگے چل کر اردو زبان میں ہندی زبان سے نقلِ حرفی کا سلسلہ صرف ادبی کتھا کہانیوں تک محدود نہ رہا بل کہ دیگر موضوعات پر ہندی زبان میں لکھی گئی کئی کتابوں کو اردو زبان میں نقلِ حرفی کیا گیا۔ یہ روایت زیادہ نکھر کر بیسویں صدی میں ہمارے سامنے آتی ہے جب پریم چند اور ان کے ہم عصر ادیبوں نے ہندی زبان میں لکھی گئی نہ صرف اپنی کہانیوں کو اردو میں ترجمہ اور نقلِ حرفی کیا بل کہ اپنے دوسرے ہم عصروں کی کہانیوں کو بھی اردو رسم الخط میں نقلِ حرفی کیا۔ یہ سلسلہ قیامِ پاکستان کے بعد بھی جاری ہے اور نہ صرف پاکستان بل کہ بھارت کے ادیب زیادہ تعداد میں ہندی کہانیوں کو ترجمہ یا نقلِ حرفی کے ذریعے اردو میں منتقل کر رہے ہیں۔ اس ضمن میں بھارت سے شائع ہونے والے تقریباً ہر ادبی رسالے میں تراجم کا گوشہ موجود ہے۔ پاکستان میں بھی کچھ اسی قسم کی صورتِ حال ہے۔ ہمارے ہاں اس حوالے سے ادبی رسائل افکار، سیپ، ساقی، ادبِ لطیف، سویرا، ادبیات اور حالیہ دور میں خصوصیت کے ساتھ ہندی تراجم کے حوالے سے رسالہ 'آج' اہمیت کا حامل ہے۔ ان رسائل میں چھپنے والے ہندی افسانوں کے تراجم یا نقلِ حرفی کے علاوہ ہندی سے اردو میں ترجمہ یا نقلِ حرفی شدہ کہانیوں کے مجموعے بھی پاکستان اور بھارت سے خاصی تعداد میں شائع ہو چکے ہیں۔

ترجمہ اور نقلِ حرفی دونوں کے باہم تعلق کو دیکھا جائے تو یہ کہنا بجا ہو گا کہ یہ دونوں زبان کے ظاہر اور باطن سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس طرح کائنات کی ہر شے کا ظاہر اور باطن ہوتا ہے اسی طرح زبان کے ظاہر کا تعلق نقلِ حرفی اور باطن کا تعلق ترجمے سے ہے۔ یعنی اگر ہم کسی زبان کے رسم الخط کو تبدیل کریں، تو وہ نقلِ حرفی کہلائے گا اور اگر ہم اس سے آگے باطن میں چھپے معنوں اور مفہوم کو بھی دوسری زبان میں منتقل کریں گے تو وہ ترجمہ کہلائے گا۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) اردو لغت (تاریخی اصولوں پر) جلد بیستم۔ کراچی: اردو لغت بورڈ، جون ۲۰۰۵ء۔ ص ۲۷۸، ۲۸۰

(۲) قومی انگریزی اردو لغت۔ اسلام آباد: ادارہ فروغ قومی زبان، ۲۰۰۶ء۔ ص ۲۱۲۶

(۳) جامع انگلش اردو ڈکشنری والیم چھ۔ نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان بھارت، ۱۹۹۸ء۔ ص ۲۸۷

(۴) خالد محمود خان۔ لُغات لسانیات۔ لاہور: بیکن بکس، ۲۰۱۷ء۔ ص ۳۴۱

(۵) فرخندہ لودھی۔ اردو اور فارسی میں نقلِ حرفی۔ اسلام آباد: ادارہ فروغ قومی زبان، جون ۱۹۸۶ء۔ ص ۹

(۶) محمد خان اشرف۔ اصطلاحاتِ تدوینِ متن۔ مشمولہ: فنِ تدوین مباحث اور مسائل۔ مرتبہ: عابدہ بتول۔ لاہور: مکتبہ اخوت اردو بازار، ۲۰۱۳ء۔ ص ۵۵۷

(۷) فرخندہ لودھی۔ اردو اور فارسی میں نقلِ حرفی۔ اسلام آباد: ادارہ فروغ قومی زبان، جون ۱۹۸۶ء۔ ص ۹، ۱۰

(۸) ایضاً۔ ص ۱۰، ۱۱

(۹) شوکت سبزواری، ڈاکٹر۔ مشمولہ: نگار۔ لکھنؤ: بابت اگست ۱۹۵۱ء۔ ص ۳۱

(۱۰) فرمان فتح پوری، ڈاکٹر۔ ناگری، رومن اور اردو رسم الخط کا قضیہ۔ مشمولہ: اردو زبان اور اردو رسم الخط۔ مرتب: پروفیسر فتح محمد ملک۔ اسلام آباد: ادارہ فروغ قومی زبان، ۲۰۰۸ء۔ ص ۳۳۴

(۱۱) پرکاش مونس۔ اردو ادب پر ہندی ادب کا اثر۔ الہٰ آباد: نیشنل آرٹ پرنٹرس، ۱۹۷۸ء۔ ص ۶

(۱۲) مرزا خلیل احمد بیگ۔ اردو کی لسانی تشکیل۔ کراچی: ادارۂ یادگارِ غالب، ۲۰۱۵ء۔ ص ۱۱

(۱۳) نجم السحر اعظمی۔ اردو اور ہندی زبان کا ارتقا اور ان کا لسانیاتی رشتہ۔ منظر اعظمی۔ دہلی: جے کے آفسیٹ پریس، ۲۰۰۴ء۔ ص ۲، ۱

(۱۴) شان الحق حقی۔ جامع الامثال۔ مرتبہ: وارث سرہندی۔ اسلام آباد: ادارہ فروغِ قومی زبان، ۲۰۱۸ء۔ ص vii

(۱۵) گوپی چند نارنگ۔ اردو اور ہندی کا رشتہ۔ مشمولہ: لغت نویسی کے مسائل۔ مرتب: گوپی چند نارنگ۔ نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۸۵ء۔ ص ۵۵، ۵۴

(۱۶) فرخندہ لودھی۔اردو اور فارسی میں نقلِ حرفی۔اسلام آباد:ادارو فروغ قومی زبان،جون ۱۹۸۶ء۔ص ۱۴،۱۵

(۱۷) سجاد ظہیر۔اردو، ہندی ہندوستانی کا مسئلہ۔مشمولہ؛اردو زبان اور اردو رسم الخط۔مرتب؛پروفیسر فتح محمد ملک۔اسلام آباد:ادارہ فروغ قومی زبان،۲۰۰۸ء۔ص ۲۰۴

TRANSLITERATION

- Farkhanda Lodhi, Urdū aur Fārsī men̠ Naql-e Harfī, (Islamabad: Adarah Faroogh Qaumi Zuban, June 1986).
- Farkhanda Lodhi, *Urdū aur Fārsī men̠ Naql-e Harfī*, (Islamabad: Adarah Faroogh Qaumi Zuban, June 1986).
- Farkhanda Lodhi, *Urdū aur Fārsī men̠ Naql-e Harfī*, (Islamabad: Adarah Faroogh Qaumi Zuban, June 1986).
- Farman Fatah Puri, Naagri, Roman or Urdu Rasm-ul-Khat ka Qazziyah, (Incl.) *Urdū Zūbān aur Urdū Rasm al-K̲h̲at*, (Comp.) Prof. Fateh Muhammad Malik, (Islamabad: Adarah Faroogh Qaumi Zuban, 2008).
- Goopi Chand Narang, *Urdū aur Hindī kā Rishta*, (Incl.) Lughat Naweesi ky Masail, (Comp.) Goopi Chand Narang, (New Dehli: Maktabah Jamiyah Limited 1985).
- *Jama' English Urdū Dictionary*, Volume Six, (New Dehli: Qaumi Council Baraye Faroogh Urdu Zuban Bharat, 1998).
- Khalid Mehmood Khan, *Lūg̲h̲āt-e Lisāniyāt*, (Lahore: Beacon Books, 2018)
- Mirza Khaleel Ahmad Baig, *Urdū kī lisānī Tashkīl*, (Karachi: Adarah-e-Yadgar-e-Ghalib, 2015)
- Muhammad Khan Ashraf, Istalahat-e Tadween-e Mattan, (Incl.) *Fann-eTadvīn Mūbāhis aur Masa'il*, (Comp.) Abidah Batool, (Lahore: Maktabah Akhuwwat Urdu Bazar, 2013).
- Najam-u-Sahar Aazmi, *Urdū aur Hindī Zubān ka Irtaqa aur in ka Lisāniyātī Rishta*, Manzar Aazmi, (Dehli: JK Offset Press, 2004)
- Parkash Monas, *Urdū Adab per Hindī Adab kā Asr*, (Allahabad: National Art Printers, 1978).
- *Qaumī Angreẓī Urdū Lug̲h̲at*, (Islamabad: Adarah Faroogh Qaumi Zuban, 2006)
- Shan-ul-Haq Haqqi, *Jam' al-Amsāl*, (Comp.) Waris Sir Hindi, (Islamabad: Adarah Faroogh-e-Qaumi Zuban, 2018).
- Shoukat Sabzwari, (Incl.) *Nigār*, (Lucknow: Babat August 1951).
- *Urdū Lug̲h̲at (Tārīk̲h̲ī Asolūn̠ per)*, Volume twenty, (Karachi: Urdu Lughat Board, June 2005).

❖❖❖